محمد عمار خان ناصر

علمِ حدیث میں درایتی نقد کا تصور

(۳)

(گزشتہ سے پیوستہ)

تعامل کے خلاف روایات

احناف اور مالکیہ کے نزدیک دین کے ایسے امور میں جن کی نوعیت عام معمول بہ احکام کی ہے، اصل ماخذ کی حیثیت صحابہ اور تابعین کے تعامل کو حاصل ہے، چنانچہ اگر کوئی روایت تعامل کے خلاف وارد ہو تو وہ اس کو قبول نہیں کرتے۔ ابن رشد اس اصول کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

واما ابو حنیفة فانه ..... رد اخبار الآحاد التی تعم بها البلوی اذا لم تنتشر ولا انتشر العمل بها وذالك ان عدم الانتشار اذا کان خبرا شانه الانتشار قرینة توهن الخبر وتخرجه عن غلبة الظن بصدقه الی الشك فیه او الی غلبة الظن بکذبه او نسخه۔
(بدایۃ المجتہد، ابن رشد ۱/۱۷۴)

''امام ابوحنیفہ کے ہاں اصول یہ ہے کہ عام الوقوع امور سے متعلق اخبارآحاد اگر کثرتِ طرق سے مروی نہ ہوں اور نہ ان پر عمل ہی جاری ہو تو ان کو رد کر دینا چاہیے، کیونکہ اگر بات تو ایسی ہو کہ اس کو نقل کرنے والے بہت سے ہونے چاہییں، لیکن خبر مشہور اور معروف نہ ہو تو یہ ایک ایسا قرینہ ہے جو خبر میں ضعف پیدا کرتا اور اس کے بارے میں سچائی کا گمان پیدا کرنے کے بجائے اسے مشکوک کرتا اور اس کے جھوٹا یا منسوخ ہونے کا گمان پیدا کرتا ہے۔''

سرخسی نے اس استدلال کو مزید وضاحت سے بیان کیا ہے:

الغریب فی ما یعم به البلوی ویحتاج

''ایسی صورت کا حکم بیان کرنے کے لیے جو

الخاص والعام الى معرفته للعمل به فانه زيف لان صاحب الشرع كان مامورا بان يبين للناس ما يحتاجون اليه وقد امرهم بان ينقلوا عنه ما يحتاج اليه من بعدهم فاذا كانت الحادثة مما تعم به البلوى فالظاهر ان صاحب الشرع لم يترك بيان ذلك للكافة وتعليمهم وانهم لم يتركوا نقله على وجه الاستفاضة فحين لم يشتهر النقل عنهم عرفنا انه سهو او نسخ الا ترى ان المتاخرين لما نقلوه اشتهر فيهم فلو كان ثابتا فى المتقدمين لاشتهر ايضا وما تفرد الواحد بنقله مع حاجة العامة الى معرفته ۔ (اصول السرخسی ۱/۳۶۸)

عام الوقوع ہے اور جس کو جاننے کی ہر خاص وعام کو ضرورت ہے، اگر خبر واحد وارد ہو تو وہ نا قابل اعتبار ہوگی ، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ذمہ داری تھی کہ جن باتوں کے جاننے کی لوگوں کو احتیاج ہے، وہ ان کے سامنے بیان کریں اور آپ نے لوگوں کو یہ بھی حکم دیا کہ وہ آپ کے ارشادات کو بعد میں آنے والوں تک پہنچائیں۔ چنانچہ اگر کوئی صورت عام الوقوع ہے تو ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعلیم بھی سب لوگوں کو دی ہوگی اور لوگوں نے بھی اس کو شہرت واستفاضہ کے ساتھ نقل کیا ہوگا۔ اب اگر ایسے کسی مسئلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی روایت بطریق شہرت مروی نہیں تو ہم سمجھ لیں گے کہ یا وہ راوی کی بھول ہے یا منسوخ ہو چکی ہے۔ دیکھتے نہیں کہ اسی روایت کو جب بعد کے لوگ نقل کرتے ہیں تو وہ ان میں مشہور ہو جاتی ہے۔ سو اگر پہلے لوگوں میں بھی وہ ثابت ہوتی تو ان میں بھی اسی طرح مشہور ہوتی اور ایسا نہ ہوتا کہ اس کو اکا دکا راوی نقل کرتے، حالانکہ سب لوگ اس کو جاننے کے محتاج ہیں۔‘‘

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

احناف نے اس اصول پر درج ذیل روایات کو نا قابل قبول قرار دیا ہے:

سنن ابی داؤد میں عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا كان الماء قلتين فانه لا ينجس۔ (ابوداؤد، رقم ۶۵)

’’اگر پانی کی مقدار دو گھڑے ہو تو وہ نجاست پڑنے سے ناپاک نہیں ہوتا۔‘‘

امام بدرالدین العینی اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

حديث القلتين خبر آحاد ورد مخالفا

’’یہ روایت خبر واحد ہے جو اجماع صحابہ کے

لاجماع الصحابة فيرد بيانه ان ابن عباس وابن الزبير افتيا فی زنجی وقع فی بئر زمزم بنزح الماء کله ولم يظهر اثره وكان الماء قلتين وذلك بمحضر من الصحابة رضی اللّٰه عنهم ولم ينكر عليهما احد منهم فكان اجماعا وخبر الواحد اذا ورد مخالفا للاجماع يرد۔

(عبدالرحمٰن مبارک پوری، تحفۃ الاحوذی ۱۴۲/۳)

خلاف وارد ہوئی ہے، لہٰذا اس کو قبول نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک حبشی زمزم کے کنویں میں گر کر مر گیا تو عبداللہ ابن عباس اور عبداللہ بن الزبیر نے فتویٰ دیا کہ کنویں کا سارا پانی نکال دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ کنویں کے پانی کی مقدار دو گھڑوں سے زیادہ تھی اور یہ فتویٰ بھی صحابہ کی موجودگی میں دیا گیا اور کسی نے اس پر اعتراض نہیں کیا۔ گویا اس رائے پر ان کا اجماع ہو گیا۔ اور اصول یہ ہے کہ خبر واحد اگر اجماع کے خلاف وارد ہو تو اسے رد کر دیا جاتا ہے۔''

سرخسی نے اس ضمن میں حسبِ ذیل روایتیں بطور مثال پیش کی ہیں:

وہ روایات جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

وہ روایات جن سے ثابت ہوتا ہے کہ جنازہ کی چار پائی اٹھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

وہ روایات جن میں ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں بلند آواز سے بسم اللہ کی تلاوت کی۔

وہ روایات جن میں ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے رفع یدین کیا کرتے تھے۔[۲۸]

امام مالک کے ہاں تعامل کے حوالے سے اہل مدینہ کا عمل معیار ہے اور وہ اس کے خلاف خبر واحد کو قبول نہیں کرتے۔ ابن عبدالبر لکھتے ہیں:

فجملة مذهب مالك فی ذلك ايجاب العمل بمسنده ومرسله ما لم يعترضه العمل بظاهر بلده۔ (ابن عبدالبر، التمہید ۳/۱)

''امام مالک کے مذہب کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ خبر واحد پر، چاہے وہ مسند یا ہو مرسل، عمل کرتے ہیں جب تک کہ وہ اہل مدینہ کے عمل کے خلاف نہ ہو۔''

اس کی دلیل بیان کرتے ہوئے ابن رشد الجد لکھتے ہیں:

ان العمل اقوى عنده من خبر الواحد

''امام مالک کے نزدیک اہل مدینہ کا عمل خبر واحد کے

۲۸؎ اصول السرخسی ۳۶۸/۱۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

لان العمل المتصل بالمدينة لا يكون الا عن توقيف فهو يجری مجری ما نقل نقل التواتر من الاخبار فيقدم علی خبر الواحد۔

مقابلے میں زیادہ قوی ہے، کیونکہ اس شہر میں جاری ہونے والا عمل بہر حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ پس یہ متواتر روایت کے قائم مقام ہے اور اسے خبر واحد پر ترجیح حاصل ہے۔‘‘

(ابن رشد، البیان والتحصیل ۱۷/۳۳۱)

اس اصول پر امام مالک نے حسبِ ذیل روایات کو رد کیا ہے:

صحیح بخاری میں حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

المتبايعان كل واحد منهما بالخيار علی صاحبه ما لم يتفرقا۔ (بخاری، رقم ۲۱۱۱)

’’دو آدمی جب آپس میں بیع کریں تو ایک دوسرے سے جدا ہونے سے پہلے پہلے دونوں کو بیع فسخ کرنے کا اختیار ہے۔‘‘

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ابن عبد البر لکھتے ہیں:

ولا يری العمل بحديث خيار المتبايعين ..... لما اعترضهما عنده من العمل۔ (التمہید ۱/۳)

’’امام مالک خیار مجلس کی حدیث پر عمل نہیں کرتے، کیونکہ یہ اہل مدینہ کے عمل کے معارض ہے۔‘‘

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک عورت کی نماز جنازہ میں شریک نہ ہو سکے تو آپ نے تدفین کے بعد اس کی قبر پر نمازِ جنازہ ادا کی۔[۲۹]

ابن رشد الحفید لکھتے ہیں:

ان ابن القاسم قال: قلت لمالك فالحديث الذی جاء عن النبی صلی الله عليه وسلم انه صلی علی قبر امراة۔ قال: قد جاء هذا الحديث وليس عليه العمل والصلاة علی القبر ثابتة باتفاق من اصحاب الحديث۔

’’ابن القاسم کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک سے کہا کہ پھر اس حدیث کا کیا کریں جس میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی؟ تو فرمایا کہ حدیث تو آئی ہے، لیکن اس پر عمل نہیں۔ (یوں امام مالک نے اس حدیث کو قبول نہیں کیا)، حالانکہ قبر پر نماز کے رسول اللہ سے ثابت ہونے

۲۹ بخاری، رقم ۱۳۳۷۔

پر محدثین کا اتفاق ہے۔'' (بدایۃ المجتہد ۱/۱۷۳)

روایات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضر کی حالت میں موزوں پر مسح کرنے کی اجازت ثابت ہے[۳۰]۔ لیکن امام مالک اس رخصت کے قائل نہیں۔ ابوالولید ابن رشد الجد لکھتے ہیں:

وسئل عن المسح على الخفين فی الحضر ایمسح علیهما؟ فقال لا، ما افعل ذلك۔ وانما هی هذه الاحادیث قال : ولم یروا یفعلون ذلك و کتاب اللّٰه احق ان یتبع ویعمل به۔ (البیان والتحصیل ۱/۸۲)	''امام مالک سے حضر میں مسح علی الخفین کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا: میں ایسا نہیں کرتا۔ اس کے حق میں تو بس یہ حدیثیں ہی ہیں۔ جبکہ خلفاے راشدین (اور اہل مدینہ) کا عمل اس پر نہیں ہے۔ (اس صورت میں) کتاب اللہ کے حکم (غسل) پر ہی عمل کرنا درست ہے۔''

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اصول کلیہ اور قیاس کے خلاف روایات

ابن رشد اس اصول کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

واما اهل الكوفة فردوا هذا الحدیث بجملته لمخالفته للاصول المتواترة علی طریقتهم فی رد الخبر الواحد اذا خالف الاصول المتواترة لكون خبر الواحد مظنونا والاصول یقینیة مقطوع بها كما قال عمر فی حدیث فاطمة بنت قیس : ما كنا لندع كتاب اللّٰه وسنة نبینا لحدیث امراة۔ (بدایۃ المجتہد ۲/۲۱۶)	''اہل کوفہ کا طریقہ یہ ہے کہ خبر واحد اگر متواتر اصولوں کے خلاف ہو تو اسے رد کر دیتے ہیں، کیونکہ خبر واحد ظنی ہے اور اصول قطعی ہیں۔ چنانچہ سیدنا عمر نے فاطمہ بنت قیس کی حدیث کے بارے میں فرمایا تھا کہ کہ ہم کتاب اللہ اور نبی کی سنت کو ایک عورت کی بات پر نہیں چھوڑ سکتے۔''

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

۳۰؎ ابوداؤد، کتاب الطہارۃ۔

ويصعب رد الاصول المنتشرة التي يقصد بها التاصيل والبيان عند وقت الحاجة بالاحاديث النادرة وبخاصة التي تكون في عين ولذالك قال عمر رضي الله عنه في حديث فاطمة بنت قيس: لا نترك كتاب الله لحديث امراة۔ (نفس المصدر ۲/۲۹)

”ایسے اصول جو بہت سی جزئیات کی بنیاد بنتے ہیں اور ان سے غرض بھی ایک کلی ضابطہ بیان کرنا ہوتا ہے جن سے بوقت ضرورت استدلال کیا جا سکے، ان کو نادر احادیث اور خاص طور پر کسی مخصوص واقعے میں مروی روایات کی بنیاد پر رد کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اسی لیے سیدنا عمر نے فاطمہ بنت قیس کی حدیث کے بارے میں فرمایا تھا کہ ہم کتاب اللہ کے حکم کو ایک عورت کی بات پر نہیں چھوڑ سکتے۔“

فقہاے احناف کے نزدیک اگر غیر فقیہ راوی ایسی روایت بیان کرے جو قیاس صحیح کے مخالف ہو تو قیاس کو روایت پر ترجیح ہوگی۔ سرخسی لکھتے ہیں:

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

نقل الخبر بالمعنى كان مستفيضا فيهم والوقوف على كل معنى اراده رسول الله بكلامه امر عظيم فقد اوتي جوامع الكلم على ما قال: اوتيت جوامع الكلم واختصرلي اختصارا۔ ومعلوم ان الناقل بالمعنى لاينقل الابقدر ما فهمه من العبارة وعند قصور فهم السامع ربما يذهب عليه بعض المراد وهذا القصور لا يشكل عند المقابلة بما هو فقه لفظ رسول الله فلتوهم هذا القصور قلنا: اذا انسد باب الراي في ما روى وتحققت الضرورة بكونه مخالفا للقياس الصحيح فلا بد من تركه لان كون القياس الصحيح

”بالمعنیٰ روایت کا طریقہ ان کے ہاں عام تھا اور رسول اللہ کے کلام کے تمام اسرار کو سمجھنا بہر حال کوئی آسان کام نہیں ہے، کیونکہ آپ کو، خود آپ کے ارشاد کے مطابق، جوامع الکلم عطا کیے گئے تھے۔ اب یہ معلوم ہے کہ بالمعنیٰ روایت کرنے والا اپنے فہم کے مطابق ہی روایت کرے گا اور اگر وہ صحیح طریقے سے بات کو نہیں سمجھ سکا تو متکلم کا منشا اس سے اوجھل رہ جائے گا۔ ظاہر ہے کہ ناقل سوے فہم سے جو بات کہے گا، وہ رسول اللہ کے کلام کے درست فہم سے بہت مختلف ہوگی۔ اس بنا پر ہم کہتے ہیں کہ جب کسی روایت کے ماننے سے رائے کا باب بالکل بند ہوتا ہو اور ہر پہلو سے واضح ہو جائے کہ وہ قیاس صحیح کے مخالف ہے تو اس کو چھوڑنا لازم ہے، کیونکہ قیاس صحیح کا حجت ہونا کتاب وسنت اور اجماع سے ثابت ہے تو جو بات ہر

حجة ثابت بالكتاب والسنة والاجماع فما خالف القياس الصحيح من كل وجه فهو فى المعنى مخالف للكتاب والسنة المشهورة والاجماع۔ (اصول السرخسی ۱/۳۴۱)

پہلو سے قیاس صحیح کے خلاف ہوگی، وہ دراصل کتاب وسنت اور اجماع کے خلاف ہوگی۔''

اس اصول پر فقہاے احناف کے ہاں حسبِ ذیل روایات ناقابل قبول قرار پاتی ہیں:

صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا:

من اشترى غنما مصراة فاحتلبها فان رضيها امسكها وان سخطها ففى حلبتها صاع من تمر۔ (بخاری، رقم ۲۱۴۹)

''اگر کوئی شخص ایسی بکری خریدے جس کا دودھ گاہک کو دھوکا دینے کے لیے کئی دنوں سے نہیں دوہا گیا تھا تو دودھ دوہنے کے بعد اگر وہ اس کو رکھنے پر راضی ہو تو درست ورنہ (جانور کو واپس کر دے اور) استعمال شدہ دودھ کے عوض میں ایک صاع کھجوریں دے دے۔''

سرخسی کہتے ہیں کہ یہ روایت ہر لحاظ سے قیاس صحیح کے مخالف ہے، کیونکہ استعمال شدہ دودھ کے تاوان کے طور پر یا تو اتنی ہی مقدار میں دودھ دینا چاہیے یا اس کی قیمت۔ ہر حالت میں ایک صاع کھجوروں کا تاوان دینے کی کوئی تک نہیں ہے۔[۳۱]

سنن ابی داؤد میں حضرت سلمہ بن المحبق سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کی لونڈی سے مباشرت کر لی۔ رسول اللہ کے سامنے مقدمہ پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

ان كان استكرهها فهى حرة وعليه لسيدتها مثلها وان كانت طاوعته فهى له وعليه لسيدتها مثلها ۔ (ابوداؤد، رقم ۴۴۶۰۔ الکبریٰ للبیہقی ۸/۲۴۰)

''اگر خاوند نے لونڈی کو مجبور کیا ہے تو اب وہ آزاد ہے اور اس کے عوض میں خاوند اپنی بیوی کو اس جیسی کوئی اور لونڈی دے دے۔ اور اگر اس میں لونڈی کی رضامندی شامل ہے تو اب وہ لونڈی خاوند کی ملکیت میں آ گئی ہے اور اس کے عوض میں وہ اپنی بیوی کو اس جیسی کوئی اور لونڈی دے دے۔''

سرخسی فرماتے ہیں کہ ازروے قیاس یہ حدیث ناقابل فہم ہے، لہٰذا قابل قبول نہیں۔[۳۲]

۳۱؎ اصول السرخسی ۱/۳۴۱۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

فقہاے مالکیہ کے ہاں بھی خلاف قیاس روایت قابل قبول نہیں اور احناف کے برخلاف وہ اس ضمن میں فقیہ اور غیر فقیہ راوی کی روایت میں کوئی فرق نہیں کرتے۔ ابن رشد الجد لکھتے ہیں:

والقیاس ایضا مقدم علی خبر الواحد لان خبر الواحد یجوز علیه النسخ والغلط والسهو والكذب والتخصیص ولا یجوز من الفساد علی القیاس الا وجه واحد وهو : هل الاصل معلول بهذه العلة ام لا؟ وما جاز علیه اوجه كثیرة مما تبطل علیه الحجة به اضعف مما لم یجز علیه الا وجه واحد۔
(البیان والتحصیل ۱۷/۳۳۱)

’’قیاس کو بھی خبر واحد پر ترجیح حاصل ہے، کیونکہ خبر واحد میں نسخ، غلطی، بھول، جھوٹ اور تخصیص کے متعدد احتمالات ہیں، جبکہ قیاس میں کمزوری کا صرف ایک احتمال ہے کہ آیا اصل حکم فی الواقع اسی علت پر مبنی ہے؟ اور جس چیز میں ضعف کے احتمالات زیادہ ہوں، وہ اس چیز کے مقابلے میں کمزور ہوتی ہے جس میں کمزوری کا صرف ایک احتمال پایا جائے۔‘‘

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

امام مالک نے حسب ذیل روایات میں اس اصول کا اطلاق کیا ہے:

صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا شرب الكلب فی اناء احدكم فلیغسله سبعا۔ (بخاری، رقم ۱۷۲)

’’جب کتا تم میں کسی کے برتن میں پانی پی جائے تو برتن کو سات مرتبہ دھویا کرو۔‘‘

شاطبی امام مالک کی رائے نقل کرتے ہیں کہ:

جاء الحدیث ولا ادری ما حقیقته؟ وكان یضعفه ویقول: یؤكل صیده فكیف یكره لعابه؟ (الموافقات ۳/۲۱)

’’حدیث تو آئی ہے، لیکن مجھے نہیں معلوم کہ اس کی حقیقت کیا ہے؟ اس کی کمزوری بتاتے ہوئے امام مالک فرماتے تھے کہ اگر کتے کا شکار کیا ہوا جانور کھایا جا سکتا ہے تو اس کا لعاب کیسے مکروہ ہو سکتا ہے؟‘‘

صحیح مسلم میں حضرت جابر سے روایت ہے کہ:

امرنا رسول الله ان نشترك فی الابل والبقر كل سبعة منا فی بدنة۔

’’رسول اللہ نے ہمیں اجازت دی کہ ایک گائے یا اونٹ کی قربانی میں سات آدمی شریک ہو سکتے

۳۲؎ اصول السرخسی ۱/۳۴۲۔

(مسلم، رقم۳۱۸۶)

ہیں۔''

چونکہ قیاس یہ ہے کہ ہر آدمی کی طرف سے ایک ہی جانور قربان کیا جائے، اس لیے امام مالک ان روایات پر عمل نہیں کرتے۔ ابن رشد الحفید لکھتے ہیں:

رد الحديث لمكان مخالفته للاصل في ذلك۔ (بدایۃ المجتہد ۱/۳۱۸)

''اصل کی مخالفت کی وجہ سے امام مالک نے اس حدیث کو رد کر دیا ہے۔''

صحیح بخاری میں حضرت رافع بن خدیج سے روایت ہے کہ ایک غزوے میں کچھ صحابہ نے بھوک سے مجبور ہو کر کچھ اونٹوں اور بکریوں کو ذبح کر کے ان کے گوشت کی ہانڈیاں چڑھا دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو آپ نے حکم دیا کہ ان ہانڈیوں کو الٹ دیا جائے۔[۳۳]

امام مالک اس روایت پر عمل نہیں کرتے۔ شاطبی لکھتے ہیں:

تعويلا على اصل رفع الحرج الذى يعبر عنه بالمصالح المرسلة فاجاز اكل الطعام قبل القسم لمن احتاج اليه۔ (الموافقات ۳/۲۲)

''ان روایتوں کو امام مالک نے رفع حرج یعنی مصالح مرسلہ کے اصول کے منافی ہونے کی وجہ سے قبول نہیں کیا۔ اس لیے وہ ضرورت مند کے لیے مال غنیمت کی تقسیم سے قبل بھی اس میں سے کھانے کو جائز قرار دیتے ہیں۔''

صحیح بخاری میں حضرت رافع بن خدیج سے روایت ہے کہ ایک موقع پر مال غنیمت کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ بھاگ نکلا۔ لوگوں نے اسے پکڑنے کی کوشش کی، لیکن وہ ہاتھ نہ آیا۔ پھر ایک آدمی نے اس پر ایک تیر پھینکا جس نے اللہ کے حکم سے اس اونٹ کو روک لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھا تو فرمایا:

ان لهذه البهائم اوابد كاوابد الوحش فما غلبكم منها فاصنعوا به هكذا۔ (بخاری، رقم ۲۴۸۸)

''ان چوپایوں میں سے کچھ چوپائے جنگلی جانوروں کی طرح بے قابو بھی ہو جاتے ہیں، ایسی صورت میں تم ان کو اس طریقے سے شکار کر لیا کرو۔''

امام مالک کا مسلک اس روایت کے برخلاف یہ ہے کہ ایسا جانور معروف طریقے سے ذبح کیے بغیر حلال نہیں ہوگا۔ ابن رشد اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

۳۳۔ بخاری، رقم ۲۴۸۸۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

وذالك ان الاصل فى هذا الباب هو ان الحيوان الانسى لا يوكل الا بالذبح او النحر وان الوحشى يوكل بالعقر واما الخبر المعارض لهذه الاصول فحديث رافع بن خديج۔
(بدایۃ المجتہد ۱/۳۳۲)

''اس باب میں اصول یہ ہے کہ مانوس ہونے والے جانوروں کا گوشت ذبح یا نحر کیے بغیر نہیں کھایا جا سکتا اور وہ جانور جو انسان سے مانوس نہیں ہوتے، ان کا گوشت (کسی بھی طریقے سے) ان کا خون بہا کر کھایا جا سکتا ہے، جبکہ رافع بن خدیج کی روایت اس اصول کے منافی ہے۔''

نتیجہ بحث

اس تمام تفصیل سے واضح ہے کہ اسلام کی علمی روایت میں درایت ایک نہایت شان دار تاریخ رکھتی ہے۔ مختلف طریقہ ہائے فکر سے تعلق رکھنے والے علما، محدثین اور فقہا نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق روایتوں کو پرکھنے کے مختلف عقلی اصول وضع کیے اور ان کو اپنی تحقیقات میں برتا۔ یہ تو ممکن ہے کہ ہم روایات پر تنقید کے حوالے سے ان کی تحقیقات سے اختلاف کریں اور کسی معقول تاویل سے یہ واضح کر دیں کہ زیر بحث روایت، درحقیقت خلاف اصول نہیں ہے، لیکن اہل علم کی مجموعی تحقیقات کی روشنی میں یہ بات پورے یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ درایت کی روشنی میں روایات کو پرکھنا ایک مسلمہ علمی اصول ہے اور جب کسی روایت کے بارے میں یہ ثابت ہو جائے کہ وہ قرآن مجید کی کسی نص، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ثابتہ، دین کے مسلمات، عقل عام کے تقاضوں یا کسی بھی ثابت شدہ علمی حقیقت کے خلاف ہے تو اس کو یکسر رد کر دینا چاہیے، چاہے اس کی سند کتنی ہی صحیح اور اس کے طرق کتنے ہی کثیر ہوں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com